بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اگست ۲۰۲۲ء

ذوالحجہ / محرم ۔۱۴۴۴ھ

النور انٹرنیشنل

ISSN 2754 267X

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت کا ترجمان۔

حضرت محمد مصطفیٰ (صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمدؒ مدّعی نبوت نہیں مجدّد صد چہار دہم تھے، جس کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی تھی۔

مدیر
شاہد عزیز

فہرست مضامین

۱: کلامِ امام۔ قُرآن کریم کی تعلیم کا عملی نمونہ آنحضرتؐ کے اِخلاق ہیں (اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۳۳) ۲

۲: خطبہ مولانا محمد علیؒ۔ حضرت امام حسینؓ صبر کا ایک نمونہ تھے ۴

۳: ایک اعتراض کا جواب ۸

اعلانات

(۱) محترم جلیل صاحب اٹلی اور علی صاحب کیوبا کی بیٹی بیمار ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اِن دونوں کی صحت کے لئے خصوصی دعائیں کریں۔

(۲) احباب کو جماعت احمدیہ لاہور کی برلن مسجد کی تعمیر نو اور شاندار افتتاحی جلسہ پر بہت بہت مُبارک باد۔

(۳) جمعہ ۱۹ اگست سے اتوار ۲۱ اگست تک سینٹ جونز کالج، آکسفورڈ یونیورسٹی میں Progressive Muslims کا جلسہ ہوا جس میں ایڈیٹر النور نے بھی حصہ لیا۔ جلسہ میں یو ایس اے اور یورپ سے مشہور مسلم اور غیر مسلم دانشور شامل ہوئے۔ آخر جلسہ میں تجدید اسلام کی جو تجاویز پیش کی گئیں وہ تقریباً وہی تھیں جو حضرت مسیح موعود ۱۲۵ سال پہلے پیش کر چکے تھے۔

نشریات

برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on:

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

YouTube:

https://www.youtube.com/c/WorldwideAhmadiyyaAnjumansLahore

https://www.podbean.com/user-Lx6kp2cJrcwN

پروگرام و اوقات

پیر سے جمعرات نشریات

۱۹۰۰- تدبر القرآن اردو

۱۹۴۰- Reflections on the Holy Quran انگریزی

جمعہ- انگریزی ۱۳:۰۰

ہفتہ - اردو ۱۳:۰۰ Pure Discussions WhatsApp Group

عیدین- انگریزی ۱۱:۰۰

عالمگیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: editor.thelight@LACommunity.uk

کلامِ امام

از حضرت مرزا غلام احمدؑ

(اسلامی اصول کی فلاسفی-(قسط-۳۳صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۱)

مُرتب ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

قُرآن کریم کی تعلیم کا عملی نمونہ آنحضرتؐ کے اِخلاق ہیں

اسی غرض سے خُدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوانح کو دو حصوں پر منقسم کر دیا۔ ایک حصہ دُکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دُوسرا حصہ فتحیابی کا۔ تا مصیبتوں کے وقت میں وہ خلق ظاہر ہوں، جو مصیبتوں کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے۔ سو ایسا ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضوح سے ثابت ہو گئے۔ چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر تیرہ برس تک مکّہ معظمہ میں شامل حال رہا۔ اس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں۔ یعنی خُدا پر توکّل رکھنا۔ اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سُست نہ ہونا اور کسی کے رُعب سے نہ ڈرنا۔ ایسے طور پر دکھلا دیئے۔ جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جب تک کسی کا پورا بھروسہ خُدا پر نہ ہو تو اُس اِستقامت اور اُس طور سے دُکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاک نمونے

اور پھر جب دُوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ، تو اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہِ کثیر کفار کا انہی اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا۔ دُکھ دینے والوں کو بخشا۔ اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا۔ ان کے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا اور قابو پا کر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپؐ کے اخلاق دیکھ کر گواہی دی کہ جب تک کوئی خُدا کی طرف سے اور حقیقتاً راستباز نہ ہو، یہ اخلاق ہر گز دکھا

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ اُس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا"، "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ختم ہو گئی۔'

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسُوخ نہیں، نہ قیامت تک منسُوخ ہو گا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلِ سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہلِ تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہر گز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: 'اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔'

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے دشمنوں کے پرانے کینے یک لخت دُور ہو گئے۔ آنحضرتؐ کا خُدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لیے مرنا کس طرح تھا۔ خُودکشی کرنا جُرم قابلِ سزا ہے۔

آپؐ کا بڑا بھاری خلق جس کو آپؐ نے ثابت کر کے دکھلا دیا

وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔(الانعام:۱۶۲) یعنی ان کو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے۔ یعنی اس کا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور نیز اس کے بندوں کو آرام دینے کے لئے ہے۔ تا میرے مرنے سے ان کو زندگی حاصل ہو۔ اس جگہ جو خُدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لئے مرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپؐ نے نعوذ باللہ جاہلوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ سے قتل کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اوروں کو فائدہ پہنچائے گا۔ بلکہ آپؐ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خودکشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ (البقرۃ:۱۹۵) یعنی خودکشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھہرو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اس پر رحم کر کے اپنا سر پھوڑے۔ تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا۔ نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کی خدمت میں مناسب اور مُفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا اور اُس کے لئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طباعت کے قواعد کے موافق اس کا علاج کرتا۔ مگر اس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ناحق اس نے اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دُکھ پہنچایا۔

قوم کی خیر خواہی میں جان دینے کا حکیمانہ طریق آپؐ کے اخلاق ہیں

غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واقعی ہمدردی اور محنت اُٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دُعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور ان کے جور وجفا اُٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝(الشعراء:۳) فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر:۸)۔ کیا تو اس غم اور اس سخت محنت میں جو لوگوں کے لئے اُٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کر دے گا۔ اور کیا ان لوگوں کے لئے جو حق کو قبول نہیں کرتے تُو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دے گا۔ سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کے لئے قانونِ قدرت کی مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اُٹھاویں۔ اور مناسب تدبیروں کے بجالانے سے اپنی جان اُن پر فدا کر دیں۔ نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھ کر اور خطرناک حالت میں پاکر اپنے سر پر پتھر مار لیں یا دو تین رتی اسٹرکنیا (Strychnia کُچلہ) کھا کر اس جہان سے رُخصت ہو جائیں۔ اور پھر گمان کریں کہ ہم نے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم کو نجات دے دی ہے۔ یہ مردوں کا کام نہیں ہے۔ زنانہ خصلتیں ہیں۔ اور بے حوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابلِ برداشت نہ پاکر جھٹ پٹ خودکشی کی طرف دوڑتے ہیں۔ ایسی خودکشی کی گو بعد میں کتنی ہی تاویلیں کی جائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے۔ جس کو انتقام کا موقعہ ہی نہ ملا۔ کیونکہ کیا معلوم ہے۔ کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا۔ تو کیا کچھ کرتا۔ جب تک انسان پر وہ زمانہ نہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو۔ اس وقت تک اس کے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہوسکتے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مر جاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت کا زمانہ نہ پاوے۔ اس کے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر کسی میدانِ جنگ میں حاضر نہیں ہوا، تو یہ بھی ثابت نہیں ہوگا کہ وہ دِل کا بہادر تھا یا بزدل ہوگا۔ اس کے اخلاق کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے ہمیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا۔ تو اُن سے کیا سلوک بجالاتا اور اگر وہ دولت مند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا۔ اور اگر وہ کسی میدانِ جنگ میں آتا تو دُم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کی طرح ہاتھ دکھاتا۔

آنحضرتؐ سے سخاوت، شُجاعت، حِلم، عفو اور عدل اپنے اپنے موقعہ پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ دُنیا میں ان کی نظیر نہیں

مگر خُدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقعہ دیا۔ چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقعہ پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے۔ کہ صفحۂ دُنیا میں اس کی نظیر ڈھونڈنا لاحاصل ہے۔ اپنے دونوں زمانوں ضعف اور قدرت اور ناداری

اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کس اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھے۔ اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونے کے لئے آپ کو خُدا تعالیٰ نے ایک موقع نہ دیا۔ شجاعؔ، سخاوتؔ، استقلال، عفو، حلم وغیرہ وغیرہ تمام اخلاقِ فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اس کی نظیر کا تلاش کرنا طلبِ محال ہے، ہاں یہ سچ ہے کہ جنھوں نے ظلم کو انتہاء تک پہنچا دیا۔ اور اسلام کو نابود کرنا چاہا۔ خُدا نے ان کو بھی بے سزا نہیں چھوڑا۔ کیونکہ ان کو بے سزا چھوڑنا گویا راست بازوں کو اُن کے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا۔

آنحضرتؐ کی لڑائیوں کی غرض حفاظتِ خُود اختیاری تھی

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی لڑائیوں کی ہر گز یہ غرض نہ تھی۔ کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے۔ وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے۔ اور بہت مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کئے گئے تھے۔ اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے۔ لہٰذا خُدا کے قانونِ حفاظت نے یہ چاہا۔ کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچا لے۔ سو جنھوں نے تلوار اُٹھائی تھی۔ انہیں کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے بطور مدافعت شرؔ کے وہ لڑائیاں تھیں۔ اور اس وقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہلِ حق کو نابود کرنا چاہتے تھے۔ اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بیگناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا۔

یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہیئے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دُشمنوں کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو۔ اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے۔ ایسے لوگ اپنی دانست میں خُدائے عزّوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں۔ کہ جو اس کی تمام صفاتِ کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں۔ لیکن غور کرنے والوں پر بآسانی کھل سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں۔ خُدا کے قانونِ قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا کے لئے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے۔ اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے۔

(جاری ہے۔۔۔۔۔۔) (فہرست مضامین)

(خطبہ ۱۱ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء)

حضرت امام حسینؓ۔

صبر کا نمونہ۔

حضرت مولانا محمد علیؒ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔ (۲۳:۳۳)

ترجمہ: ”مومنوں میں سے کچھ مرد ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا جو اللہ سے عہد کیا تھا۔ سو اُن میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور اپنی بات نہیں بدلی۔“

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک تو ان کا، جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا، اسے پورا کر دکھلایا۔ اور اپنی نذر کو پورا کر دیا۔ یعنی اپنی جان و مال کو خُدا کے راستے میں لگا دیا اور اس کی راہ میں تمام مصیبتوں کو ہنسی خوشی جھیل لیا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جنھوں نے اپنے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ اپنی نذر کو پورا کیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو ایک ایسا زمانہ ہے کہ جس میں سب اپنے عہد کو پورا کرنے والے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ بارہا پرکھے گئے۔ ہر وقت ان کے سر پر دشمن کی تلوار رہتی تھی۔ کئی لڑائیوں میں ان کی آزمائش ہوئی۔ انہوں نے اپنا مال، جان، سرسب کچھ نذر کر دیا۔ کسی لڑائی کے حالات پر غور کر لو۔ سب میں یہ کیفیت نظر آتی ہے۔ گویا انہوں نے خدا کی راہ میں جان دینے کی نذر مانی ہوئی تھی۔ یہ معمولی بات نہیں!

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ

میں اس وقت صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں، جو تاریخ اسلام میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۰۰ صحابیوںؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ سے حج کے ارادہ پر نکلے تھے۔ قربانی کے جانور بھی ساتھ تھے۔ عمرہ کا احرام بھی آپؐ کے ساتھیوں نے باندھ لیا تھا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر آپؐ کو معلوم ہوا کہ قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے ہیں۔ آپؐ نے حدیبیہ کے مقام پر، جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے، قیام فرمایا۔ آپؐ نے قریش کو کہلا بھیجا کہ ہم حج کے ارادہ سے آئے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔ قریش نے مسلمانوں کے قاصد کے ساتھ نہایت نامناسب سلوک کیا۔ اس کی سواری کا اونٹ مار ڈالا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا، جن کا مکہ میں کافی رسوخ تھا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ جس کی وجہ سے یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ کفار جنگ کے لئے بالکل تُلے ہوئے ہیں۔ یہ ایک نہایت نازک موقعہ تھا۔ کفار کی تعداد بے شمار تھی۔ وہ اپنے گھر میں تھے۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلے پر نہایت قلیل اور دوسرے وہ مدینہ سے حج کے ارادہ پر چلے تھے، اس لئے تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار ان کے پاس نہ تھا۔ چنانچہ حضرت نبی کریمؐ نے صحابہؓ سے موت پر بیعت لی، جو تاریخ میں بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سب نے عہد کیا کہ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہوئی، تو ہم اپنی جانوں کو تو فدا کر دیں گے۔ مگر دشمن کو پیٹھ نہ دکھائیں گے۔ اس کے علاوہ بھی اس مقدّس گروہ کے اور بڑے بڑے امتحانات ہوئے۔ لیکن ان کے پائے استقلال میں کبھی ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔

حادثہ کربلا

ایک وقت آیا کہ مسلمانوں کی باہمی جنگیں شروع ہو گئیں۔ اور دنیاوی حکومت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ اور وہ حالت بدل گئی جو خلفائے راشدینؓ کے وقت تھی۔ وہ بادشاہ نہ رہے جو لوگوں کے لئے رشد و ہدایت کے نمونے تھے، بلکہ دنیوی رنگ کے بادشاہوں کا دور شروع ہوا۔ شاید ان کی زندگیاں بھی کسی حد تک ملوث تھیں۔ تاریخ اسلام میں ایسا پہلا بادشاہ یزید ہے۔ اس وقت ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ امام حسینؓ زندہ تھے۔ انہوں نے اس بادشاہ کی بیعت یعنی حلف وفاداری لینے سے انکار کر دیا۔ اور بعض لوگوں کے کہنے پر کوفہ کی طرف گئے، جہاں وہ غمناک حادثہ پیش آیا، جو تاریخ اسلام میں حادثہ کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ عالم اسلام میں ۱۰ محرم کو اسی واقعہ کی یاد میں ایک ہیجان بپا ہوتا ہے۔ یہ رونا پیٹنا اسی غم کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، جو اس واقعہ سے مسلمانوں کے دلوں کو پہنچا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس واقعہ کی یاد غم انگیز ہے۔ مسلمانوں میں اس بات پر بحثیں ہوتی ہیں کہ یہ تعزیئے نکالنا، نوحہ گری کرنا اور رونا پیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تعزیوں میں بُت پرستی کا رنگ تو نہیں؟ ان بحثوں کو بھی الگ رکھ کر سوال یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، قوم کے دلوں میں کیا کیفیات پیدا کرتا ہے؟ بے شک حضرت امام حسینؓ نے اپنی جان قربان کر دی۔ سر کٹوا لیا۔ اس کا صدمہ مسلمانوں کے دلوں کو قدرتی طور پر ہونا چاہئے!

تاریخ اسلامی کے دردناک واقعات

آج بھی تاریخ میں کوئی اس واقعہ کو پڑھے، تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ یہ کیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ہی کو پڑھو، بے شمار اس قسم کے واقعات ہیں، جنہیں پڑھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں! پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ کے بیسیوں واقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے واقعات ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کربلا کا واقعہ تاریخ اسلام میں اپنی قسم کا اکیلا واقعہ نہیں۔ اور اس کی وہ نوعیت نہیں، جیسی کہ آج کل پیش کی جاتی ہے! اس کے ساتھ ہی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رونے پیٹنے سے قوم کے دلوں میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اور مسلمان اس سے وہ سبق حاصل نہیں کرتے جو کرنا چاہئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حادثہ کربلا ایک نمایاں اور سبق آموز واقعہ ہے۔ حضرت امام حسینؓ اگر چاہتے تو اس وقت یزید کی اطاعت قبول کر کے اپنی، اپنے بال بچوں اور دوسرے متعلقین کی جان بچا سکتے تھے۔ اور اپنی زندگی عیش و آرام سے گزار سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ساری مصیبتیں برداشت کیں اور اصول نہ چھوڑا۔

حضرت مسیح موعود پر ایک بے بنیاد الزام

حضرت امام حسینؓ صبر کا ایک نمونہ تھے۔ ہمارے حضرت صاحب نے بھی انہیں سید المظلومین لکھا ہے۔ ان کے ایسے ہی صبر کا نمونہ حضرت مسیح موعود کے دل میں تھا جبکہ انہوں نے یہ شعر کہا۔

سیر کربلائیست ہر آنم   صد حسین است در گریبانم

اس شعر کی وجہ سے حضرت مسیح موعود پر طرح طرح کے بے معنی الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی حقیقت کے رنگ کا کلام نہیں، بلکہ مجاز کے رنگ کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر بھی ایسا ہی ظلم ہوا۔ اور میرے سامنے بھی اتنی ہی مصیبتیں اور رنج ہیں کہ ہر وقت مجھے کربلا میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس شعر میں حضرت امام حسینؓ کو صبر کے نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سے ان کے بلند مقام کو ظاہر کرنا مقصود ہے نہ کہ (نعوذ باللہ) ان کی کسی قسم کی تحقیر۔

اصل حقیقت

اصل بات یہ ہے کہ یہ شعر مشہور شیعہ علی الحائری صاحب کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ انہوں نے حضرت امام حسینؓ کے متعلق بہت کچھ غلو کے خیالات ظاہر کئے تھے۔ لکھا تھا کہ وہ دُکھ اور مصیبت اُٹھا کر تمام دنیا حتّٰی کہ انبیاءؑ

تک کے لئے شفیع بن گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ تم کہتے ہو حضرت امام حسینؓ دُکھ اُٹھا کر رسولوں سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ ایسے دُکھ اور تکلیف تو مجھ پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ میری نصرت بھی کرتا ہے۔ اس شعر کا مقصد، جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں، حضرت امام حسینؓ کی اہانت ہرگز نہیں۔ افسوس! یہ لوگ اس شعر کا غلط مطلب کر کے تو اس قدر شور مچاتے ہیں، جبکہ حضرت مسیح موعود کے دوسرے ارشادات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں!

امام حسینؓ کے متعلق حضرت مسیح موعود کے ارشادات

آپ کے دل میں حضرت امام حسینؓ کی بے حد عزت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید کی کسی شیعہ سے بحث ہوئی۔ اس شخص نے دوران بحث حضرت مسیح موعود کی سخت ہتک کی۔ اس مرید نے جواب میں حضرت امام حسینؓ کے متعلق کچھ سخت الفاظ کہہ دیئے۔ آپ نے ایک اشتہار میں، جو ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا، اپنے اس مرید کو خوب ڈانٹا اور کہا کہ ہمارا وطیرہ یہ نہ ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت امام حسینؓ کی بے حد تعریف کی اور فرمایا:

"حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا۔ اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہیں، جن کو خُدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے۔ اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہیں۔ اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔" (اشتہار تبلیغ حق ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

مخالفین کا افسوس ناک طرز عمل

کسی شخص کا مطلب سمجھنے کے لئے اس کے سارے کلام کو دیکھنا چاہئے، لیکن ہمارے مخالفین کسی ایک بات کو لے دوڑتے ہیں۔ اس کے غلط معنی کر کے شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی کتاب اور کوئی انسان ہو، اگر اس سے یہ سلوک کیا جائے گا، تو وہ کسی معیار پر پورا نہ اُتر سکے گا۔

حضرت امام حسینؓ کی ہم بھی عزت کرتے ہیں۔ اور آپ کی عظیم الشان قربانی اور صبر کے معترف ہیں، لیکن اس عزت کرنے کا فائدہ اگر ہمارے دلوں میں وہ کیفیت پیدا نہ کرے، جو امام حسینؓ کے دل میں تھی، تو کچھ بھی نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شیعان علیؓ ہے، لیکن علیؓ نے تو اسلام کے لئے بڑے بڑے قلعے فتح کئے۔ تم بھی اسلام کے لئے ایسا کرو تو شیعان علی کہلا سکتے ہو۔ تم بھی موت کو آسان سمجھ لو اور دین کے لئے عیش و آرام کو قربان کر دو، جیسا کہ حضرت امام حسینؓ نے کیا تھا، تو تم بھی شیعان حسینؓ کہلا سکتے ہو۔ اور ہم پر تو سب سے زیادہ حق ہے۔ کیونکہ ہم مجدد کی جماعت ہیں۔ ہم نہ غالی ہیں اور نہ تفریط کرنے والے ہیں۔ مجدد کی جماعت ہونا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے، کہ ہم نے جو بیعت مجدد وقت سے کی تھی، وہ موت پر بیعت ہو۔ صرف زبان سے مجدد کا مان لینا کافی نہیں اور یہ نہ مجدد پر احسان ہے۔ اور نہ خدا پر احسان ہے۔ یہ تو جان و مال کا سودا ہے۔ ہم اس وقت تک جنت کے وارث نہیں بن سکتے، جب تک اس کی قیمت یعنی اپنی جان و مال فدا نہ کریں!

مسٹر یوسف سلیم کا مضمون

بعض اوقات لوگوں کو ذرہ سی بات پر ٹھوکر لگتی ہے۔ وہ مخالفین کے اعتراضات سے گھبرا جاتے ہیں۔ ایک دوست نے رسالہ "حقیقت اسلام" کے دو تین شمارے بھیجے ہیں۔ یہ بھی کہا کہ اس رسالہ کے مطالعہ سے بعض نوجوانوں کے دلوں میں عجیب قسم کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک شمارہ کو دیکھا ہے۔ اس میں مسٹر یوسف سلیم کا ایک مضمون "مجدد کی شناخت" کے عنوان سے نظر آیا ہے۔ مسٹر یوسف سلیم کے تو آپ میں سے بہت سے دوست واقف ہوں گے۔ رسالہ "حقیقت اسلام" کے ایڈیٹر نے مضمون نگار کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

"مسلمانوں کو تو خوش ہونا چاہئے کہ اب ان میں الیاس برنی اور یوسف سلیم جیسے سنجیدہ اہل قلم پیدا ہونے لگے ہیں، جو انگریزی دان طبقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود ناموس اسلام کی حفاظت کے لئے اپنے قلم کو عالمانہ انداز میں جنبش دے سکتے ہیں اور ان مسائل پر متانت و تحقیق کے رنگ میں اظہارِ خیال کر سکتے ہیں۔" (دسمبر ۱۹۳۵ء)

موجودہ مسلمانوں کی عجیب وغریب ذہنیت

ان الفاظ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا الیاس برنی اور یوسف سلیم جیسے "بلند پایہ لوگوں کا پیدا ہو جانا مسلمانوں کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے"۔ الیاس برنی اس "بلند مقام" پر ذرا دور کے راستے سے پہنچے، لیکن یوسف سلیم تو بہت جلد پہنچ گئے۔ گذشتہ سال انہی دنوں ان پر ملحدانہ خیالات کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور انجمن حمائت اسلام لاہور کی طرف سے، جس کے اشاعت اسلام کالج کے یہ پرنسپل تھے، ان کو نوٹس بھی مل گیا تھا۔ اس وقت یہ میرے پاس آکر کہنے لگے کہ انجمن کی طرف سے تو نوٹس مل گیا ہے، کیونکہ انجمن والوں کو میرے

احمدی خیالات رکھنے پر اعتراض ہے۔

ذرا قابل غور بات ہے کہ ایک سال قبل اس شخص پر الحاد، زندقہ اور خُدا جانے کس کس چیز کے الزام لگائے جاتے تھے! لیکن اب اس نے احمدیت کے خلاف ایک مضمون لکھا اور ایک ہی زغند میں الحاد سے نکل کر "عالم حق" بھی بن گئے۔ اس کی تعریفیں بھی ہونے لگیں۔ آج کل کے مسلمانوں کی ذہنیت پر ذرا غور کرو۔ ایک شخص حضرت مرزا صاحب اور احمدیت کو بُرا کہہ دے، چند گالیاں دے دے، تو اس میں کوئی برائی نہیں رہتی۔ نہ وہ ملحد رہتا ہے نہ زندیق، بلکہ اسلام کا نجات دہندہ بن جاتا ہے۔ میں نے مسٹر یوسف سلیم کے مضمون کا ایک حصہ پڑھا ہے۔ وقت ملنے پر باقی حصوں کو بھی پڑھوں گا۔

حدیث مجدد اور ہمارے مخالفین

ہمارے مخالفین کے راستے میں حدیث مجدد ایک بہت بڑی روک ہے۔ اس کی وجہ سے انہیں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ ایک تو یہ کہ تمام حفاظ حدیث کا اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ دوسرے متعدد بزرگان دین حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ کے دعوے اس حدیث کے متعلق موجود ہیں۔ مخالفین کا ایک حصہ تو جوش مخالفت میں حدیث کو ہی جواب دے رہا ہے۔ جبکہ دوسرا ابلا تحقیق کہتا ہے کہ حدیث کمزور ہے۔ ضعیف ہے وغیرہ!

اب ایک اور گروہ پیدا ہو گیا ہے جو کہتا ہے کہ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا سے مراد ایک فرد کی بجائے ایک جماعت بھی ہو سکتی ہے، لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس وقت وہ کون سی جماعت ہے؟ دیوبند والوں کی ہے، جمیعت العلماء کی یا اور کوئی؟ مسٹر یوسف سلیم نے بڑی جرأت کی ہے کہ حدیث مجدد کو صحیح تسلیم کر لیا ہے اور گذشتہ تیرہ صدیوں کے مجددوں کی فہرست بھی اپنے مضمون میں دے دی ہے، لیکن چودھویں کے مجدد کا نام نہیں بتایا!

چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے؟

عجب تماشا ہے کہ نصف سے زیادہ صدی گزر چکی ہے۔ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ خود مسٹر یوسف سلیم نے اپنے اسی رسالہ کے ایک دوسرے مضمون میں، جو انہوں نے "سوانح حیات حضرت داتا صاحب" کے عنوان سے لکھا ہے، موجودہ مسلمانوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ مسلمان نہیں بلکہ بقول علامہ موصوف (ڈاکٹر اقبال) "متحرک نعشیں" ہیں۔ یہ وہ پھول ہیں جو دور سے پھول معلوم ہوتے ہیں، مگر جب پاس جا کر سونگھو تو خوشبو کا کوسوں پتہ نہیں۔ یہ الفاظ ہیں مگر بے معنی، اشجار ہیں مگر بے ثمر۔ اجسام ہیں مگر بے روح۔ شمع ہیں مگر بے نور"

مگر اس زبون حالی کے باوجود چودھویں صدی کا مجدد غائب ہے! آخر وہ کہاں گیا؟ جب حدیث مجدد بھی صحیح، مسلمانوں کی موجودہ حالت بھی ایک مجدد کا تقاضا کر رہی ہے، صدی بھی نصف سے زیادہ گزر چکی ہے، تو اس صدی کا مجدد گیا کہاں؟ کوئی نام بتلاؤ۔ ہندوستان سے یا ہندوستان سے باہر سے؟ خُدا بھی عجیب ہے۔ جب تک مسلمانوں میں ذرا جان بھی تھی، ان میں مجدد بھیجتا رہا۔ اور جب وہ جسم بے جان اور "متحرک نعشیں" بن گئے، تو مجدد نہیں بھیجتا!

حضرت مرزا صاحب اس صدی کے مجدد ہیں

لیکن افسوس! یہ لوگ مجدد کہاں سے لائیں؟ اس صدی کا مجدد تو وہی ہے، جس کو جھوٹا ثابت کرنا اس مضمون کا مقصد ہے۔ سلیم صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مجدد کا خود بخود پتہ لگ جاتا ہے۔ لوگوں کے دل گواہی دے اُٹھتے ہیں۔ خُدا کے لئے ذرا واقعات پر غور کر کے بتاؤ کہ اس زمانہ میں کون ایسا شخص ہے، جس کے لئے مسلمانوں کے دل گواہی دے اُٹھے ہیں! وہ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔ "مسیح موعود" کے دعویٰ سے پہلے شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو گا، جو آپ کو مجدد تسلیم کرنے میں تأمل کرتا ہو۔ سب کے دل گواہی دے اُٹھے تھے کہ آپ مجدد ہیں۔ اور علم و فضل، زہد و اتقائ، استجابت دعا اور خدمات دینی کے لحاظ سے کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب آپ نے "براہین احمدیہ" شائع کی، تو اس وقت کا ایک بہت بڑا عالم (مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی) پکار اُٹھا۔ کہ گزشتہ تیرہ سو سال میں اسلام کی تائید میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ غرضیکہ لوگوں کے دل گواہی دے اُٹھے تھے کہ حضرت مرزا صاحب مجدد ہیں۔ میں خود اس کا ایک شاہد ہوں۔ میرا گاؤں قادیان سے سیدھے راستے سے صرف بیس بائیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس تمام علاقہ میں حضرت مرزا صاحب کے زہد و اتقائ، استجابت دعا اور نیکی کا عام چرچا تھا۔

مسیح موعود کا دعویٰ

مخالفت تو محض وفات مسیحؑ کے عقیدہ اور مسیح موعود کے دعویٰ پر شروع ہوئی۔ اس سے قبل حضرت مرزا صاحب کو بہت بلند مقام مل چکا تھا۔ اس بحث کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑیئے کہ یہ عقائد صحیح ہیں یا غلط۔ اس سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مسیح موعود کے دعویٰ کا مقصد کوئی عزت حاصل کرنا نہ تھا۔ اگر حضرت مرزا صاحب عزت کے خواہاں ہوتے، تو اپنی بنی ہوئی عزت کو اس طرح نہ گنواتے اور لوگوں کی دشمنی اور مخالفت مول نہ لیتے، لیکن آپ نے آج کل کے علماء کی طرح اخفاء حق نہیں کیا۔ اور اپنی عزت کی پروانہ کرتے ہوئے سچی بات ہی کہی!

جلسہ مذاہب کا مضمون

میں "براہین احمدیہ" کا ذکر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ لاہور کے "جلسہ مذاہب" کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس جلسہ میں حضرت صاحب کا مضمون مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے پڑھا۔ اور تمام مذاہب کے لوگوں نے اس کو متفقہ طور پر بہترین مضمون تسلیم کیا۔ اس کے لئے ڈیڑھ گھنٹے کا وقت مقرر تھا۔ جب یہ وقت ختم ہو گیا، تو لوگوں نے، جن میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی وغیرہ سب شامل تھے، شدید اصرار کیا کہ مضمون کو جاری رکھا جائے۔ چنانچہ پانچ چھ گھنٹے تک مضمون جاری رہا۔ حاضرین محویت کے عالم میں بیٹھے اسے سنتے رہے!

کونٹ ٹالسائی کی رائے اور خواجہ کمال الدین صاحبؒ کا تجربہ

میں نے اس مضمون کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ وہ روس کے مشہور ادیب و مصلح کونٹ ٹالسائی کو بھی بھیجا گیا۔ اس نے اس کے متعلق لکھا کہ اس مضمون کا لکھنے والا کوئی بہت ہی بلند پایہ اور عظیم الشان آدمی ہے۔ گھر میں کوئی آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے اور کہے کہ مجھے مرزا صاحب کا کوئی علمی کارنامہ اور کوئی علمی کتاب نظر نہیں آئی، تو اس کا کوئی علاج نہیں! کسی کی آنکھیں کھلی ہوں تو اسے سب کچھ نظر آ سکتا ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ یورپ کا اسلام کے اوپر کوئی ایسا اعتراض نہیں جس کا شافی جواب مجھے حضرت مرزا صاحب کی کتابوں سے نہ مل گیا ہو۔

مسٹر یوسف سلیم کا سب سے بڑا اعتراض

خود مسٹر سلیم یوسف عیسائی ہو گئے تھے، تو ان کو اس گمراہی سے نکالنے والی "احمدیت" ہی تھی۔ احمدیت پر انہوں نے اعتراضات تو بہت کئے ہیں، لیکن ان کا سب سے بھاری اعتراض یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ برطانیہ کی تعریف وخوشامد کی۔ اس رسالہ میں سید احمد صاحب دہلویؒ کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ اس ملک پنجاب میں، جب سکھ مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم کر رہے تھے، پنجاب کی مساجد بارود خانوں اور اصطبلوں کی شکل میں تبدیل ہو رہی تھیں، قرآن مجید کی سیڑھیاں بنائی جا رہی تھیں، خدا کا نام لینا یا اذان دینا جرم قرار دیا جا رہا تھا، تو اس وقت آپ نے بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور اپنے خون سے اسلام کی حقانیت پر مہر ثبت کر دی۔ بے شک دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا، سکھوں کے مظالم سے پنجابی مسلمانوں کو نجات دلانا بہت بڑا کام ہے۔ حضرت سید احمد دہلویؒ شہید ہو گئے۔ اور بظاہر ان کا مقصد اس وقت پورا نہ ہوا، مگر ان کی دعائیں کام کر گئیں۔ اور بہت جلد پنجاب کو سکھوں کے مظالم سے نجات مل گئی۔ سکھوں کے مظالم کا نقشہ ڈاکٹر اقبال نے اس شعر میں خوب کھینچا ہے۔

خالصہ شمشیر و قرآن را ببرد — اندراں کشور مسلمانی بمرد

حضرت مرزا صاحب نے کیا برائی کی؟

اب ذرا سوچئے۔ جس قوم نے ان سکھ مظالم کا خاتمہ کیا، اگر حضرت مرزا صاحب نے ازروئے انصاف اس کی جائز تعریف کر دی، تو کیا بُرا کیا؟ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تاتاریوں نے بغداد کو برباد کیا اور وہاں قتل عام ہوا، تو اس وقت کے اہل اللہ نے آسمان سے ندا سنی۔ اَیُّھَا الْکُفَّارُ اقْتُلُوا الْفُجَّارَ اے کافرو! ان (مسلمان) فاجروں کو قتل کر دو۔ وہاں تو کافر مسلمانوں کو قتل کرنے والے تھے۔ یہاں پنجاب میں کافروں کے مظالم سے مسلمانوں کو کافروں کے ذریعہ سے نجات دلائی۔ چنانچہ واقعات کے لحاظ سے انگریزوں کا پنجاب میں سکھ مظالم کا خاتمہ کرنا قابل تعریف ہے۔ اصل میں لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ہے۔ اگر امام حسینؑ سید المظلومین ہیں، تو آج مرزا صاحب بھی بے حد مظلوم ہیں۔ ان پر دوہرا ظلم ہو رہا ہے۔ ایک تو خود مسلمان مخالفت کرتے ہیں، دوسرے وہ قوم (قادیانی) جنہوں نے غلو کر کے ان (حضرت صاحب) کو اصل مرتبہ سے بہت بڑھا دیا ہے۔ اس طرح وہ احمدیت کی مخالفت کا باعث بنی ہے۔ (پیغام صلح ۲۰ اپریل ۱۹۳۶ء)

(فہرست مضامین)

لفظ نبی کے استعمال کا جواب

پس منظر

ایک ارسال کردہ تحریر میں احمدیہ انجمن لاہور کے اکابرین حضرت مولانا محمد علیؒ، خواجہ کمال الدین صاحب، مولانا سید احسن امروہی صاحب اور پیغام صلح کے حوالے دے کر یہ اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ احمدیہ انجمن لاہور کے اراکین 1914ء سے پہلے حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کے منصب کی بابت وہی عقیدہ رکھتے تھے جو قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے۔ جب غیر از جماعت احباب دوسرے معاملات میں لاجواب ہو جاتے ہیں تو ایسے اعتراضات اُٹھانے شروع کر دیتے ہیں۔ اِن کا جواب بہت دفعہ دیا جا چکا ہے لیکن ایک دفعہ پھر ہم اپنی گذارشات پیش کرتے ہیں۔

پیغام صلح کے حوالے

اس تحریر میں جو پہلا حوالہ دیا گیا ہے اس کو خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب 1913ء میں انگلستان میں مقیم تھے۔ یہ درست ہے کہ پیغام صلح کے سرورق پر ایڈیٹر کے

آگے جو دو نام لکھے تھے ان میں ایک نام خواجہ کمال الدین صاحب کا بھی تھا لیکن اُن کے نام کے آگے "آنریری" لکھا ہوا ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی بنیاد رکھنے سے پہلے اور کچھ عرصہ بعد تک پیغام صلح جماعت کے اکابرین میں سے کسی کی ملکیت نہ تھا بلکہ جماعت احمدیہ مشترکہ کے ایک رکن کی ذاتی ملکیت تھا۔ اُن صاحب نے اخبار پر آنریری طور پر خواجہ کمال الدین صاحب کا نام بطور ایڈیٹر کے لکھوا رکھا تھا۔ اس اخبار میں خواجہ کمال الدین صاحب کے انگریزی اخبار کے مضامین اور خطوط کے تراجم وغیرہ بھی شامل کیے جاتے تھے۔ جب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی گئی تو اخباری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کسی نئے اخبار کا اجرا کرنے کی بجائے انجمن نے اخبار پیغام صلح کا لائسنس اس شخص سے خرید لیا گیا۔ تو جب تک اخبار پیغام صلح جماعت احمدیہ لاہور کی ملکیت ہی نہ تھا تو اس وقت کے حوالہ جات پیش کرنا تو علمی بددیانتی ہے۔

حضرت مسیح موعود کے حوالے

سب سے اول ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے لفظ نبی اور رسول کے استعمال کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ اسلئے کہ اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ مدعی کا دعویٰ نبوت کا نہی تو پھر کسی دوسرے کا اُنہیں نبی یا رسول کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

1891 میں جب حضرت مرزا غلام احمدؒ پر اُنہی الفاظ کو استعمال کرنے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دیا کہ یہ نبوت کا مدعی ہے تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

"نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔۔۔ اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے۔۔۔ تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آگیا۔ (ازالہ اوہام صفحہ 421, 422)

حضرت مسیح موعود کی اپنی تحریرات اِس تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت کرتی ہیں کہ کسی دوسرے کی جانب دیکھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی انجام آتھم کی ایک تحریر دیکھیں جو ایک معترض کے اعتراض کا جواب ہے اور یہ تحریر آپ کے دعوی مسیحیت کے سات آٹھ سال بعد کی ہے۔ انجام آتھم کے صفحہ ۲۶ کے حاشیہ پر آپ نے پہلے معترض کا قول نقل کیا ہے جو ان الفاظ میں ہے۔

"مرزا صاحب کے موافقین اور مخالفین نے پرلے درجے کے افراط و تفریط کی ہے جو شخص یہ کہتا ہو کہ میں قرآن کو مانتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں۔ روزے رکھتا ہوں اور لوگوں کو اسلام سکھاتا ہوں۔ اس کو کافر کہنا زیبا نہیں۔ مگر ایک عالم کے رتبہ سے بڑھا کر پیغمبری تک پہنچانا بھی نہیں۔"

اس کا جواب حضرت صاحبؒ نے بڑے مفصل انداز میں دیا جو کے نبوت اور رسالت کے مسئلے کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

"صاحب انصاف طلب کے بیان میں یعنی ان کے پہلے ہی قول شریف میں تناقص پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ بہت ہی حق پسند بن کر نہایت مہربانی سے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر کہنا زیبا نہیں اور پھر دوسری طرف اسی منہ سے میری نسبت رائے ظاہر کرتے ہیں کہ گویا میری جماعت درحقیقت مجھے رسول اللہ جانتی ہے۔ اور گویا میں نے درحقیقت نبوت کا دعویٰ کیا ہے اگر راقم صاحب کی پہلی رائے صحیح ہے کہ میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں تو پھر دوسری رائے غلط ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ میں خود نبوت کا مدعی ہوں اور اگر دوسری رائے صحیح ہے تو پھر وہ پہلی رائے غلط ہے۔ جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف کو مانتا ہوں کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیے کہ اِس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں۔ جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے۔ ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے۔ وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا **ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی او رسول علی وجہ الحقیقۃ والافتراء وترک القرآن واحکام الشریعۃ الغراء فھو کافر کذاب** غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تیئں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہے تو وہ ملحد بیدین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیر تبدل کر دے گا پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں ایسے خبیث کی نسبت کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کو مانتا ہے۔"

آگے فرماتے ہیں:

" بعض اوقات خدا تعالیٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے سارا جھگڑا یہ ہے جس کو نادان متعصب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں۔ آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کے رو سے ہے جو صوفیائے کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا۔ "(انجام آتھم حاشیہ صفحہ 28)

حضرت مولانا محمد علیؒ کے حوالہ جات

اول تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مرزا غلام احمدؒ نے کبھی خود نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا تو بات ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم دیگر پیش کردہ حوالات کا جواب دیتے ہیں۔ جہاں تک دوسرے حوالہ جات کی بات ہے تو جہاں سے یہ حوالہ جات لئے گئے ہیں ان میں سے اپنے مطلب کی بات نکالنے کے لئے صرف اور صرف لفظ "نبی" اور "رسول" والی عبارت لی ہے اور بار بار جو نبی اور رسول کے معنی اور مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے اس کو دانستہ طور پر چھوڑ دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ ان عبارات کے متعلق اپنی تحریرات میں کئی دفعہ وضاحت دے چکے ہیں کہ وہ یا جماعت احمدیہ لاہور کا کوئی بھی فرد ان الفاظ کو استعمال کرتا رہا ہے تو ان کو اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں کرتا رہا بلکہ ہم ان الفاظ سے صرف اور صرف پیشگوئی کرنے والے کے لغوی معنی مراد لیتے ہیں اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم سمجھتے ہیں آپ اپنی تحریرات میں ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'میں یہ مانتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شرعی اصطلاح میں نبی اور رسول نہ تھے بلکہ ان الفاظ کے لغوی معنوں کی رو سے نبی اور رسول تھے۔ یعنی نبی اس لئے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ پر غیب کے اخبار ظاہر کرتا تھا۔ اور رسول اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر کے اصلاح کے لئے بھیجا تھا یعنی آپ اُن معنوں میں نبی اور رسول تھے جن معنوں میں اس امت کے دوسرے مجدد بھی نبی اور رسول کہلا سکتے ہیں۔

'اس اُمت کے دوسرے مجدّدوں پر آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کی آمد کے متعلق صریح پیشگوئیاں موجود ہیں۔۔۔ پھر جس عظیم الشان فتنہ کی اصلاح کے لئے آپ کو بھیجا گیا۔ دوسرے کسی مجدّد کو اتنا عظیم الشان کام سپرد نہیں ہوا۔۔۔ ایسا ہی آپ کو جو علم الکلام دیا گیا ہے۔ وہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کو لے کر مسلمان کل مذاہب پر غالب آسکتے ہیں دوسرے کسی مجدد کو ایسا علم الکلام نہیں دیا گیا۔

'میں حقیقی نبوت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم یقین کرتا ہوں۔ آپ کے بعد نہ کوئی پرانا نبی واپس آئے گا نہ کوئی نیا نبی مبعوث ہو گا۔(از میرے عقائد مطبوعہ 23 اگست 1914ء)

'مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قادیانی علماء جب بانی سلسلہ کے کھلے مسلک کی خلاف ورزی کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تو وہ اپنی شرمساری کو چھپانے کے لئے میرے متعلق ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس بات کو صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میری یا دوسرے کسی احمدی کی کوئی تحریر بانی سلسلہ کے مسلک کے خلاف ہو تو وہ ہرگز قابل قبول نہیں اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک میرے وہم میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ بانی سلسلہ کا دعویٰ فی الحقیقت نبوت کا ہے جس کے نہ ماننے سے کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لیکن مجھے اس سے کبھی انکار نہیں ہوا کہ میری تحریر میں باتباع بانی سلسلہ بعض وقت لفظ نبی مجاز اور استعارہ کے رنگ میں یا اپنے لغوی معنی میں یعنی پیشگوئی کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوا۔ اور یہ بات نہ بانی سلسلہ سے خاص ہے نہ مجھ سے بلکہ کئی اولیاء اللہ کے کلام میں یہ استعمال پایا جاتا ہے جس کی مشہور مثال مولانا روم کا یہ قول ہے: " او نبی وقت خویش است اے مرید" (اے مرید وہ (مرشد کامل) اپنے وقت کا نبی ہے۔) لیکن اس سے بڑھ کر جو امر قابل افسوس ہے وہ یہ ہے کہ حالانکہ میں کئی بار یہ وضاحت کر چکا ہوں مگر قادیانی علماء میرے اس جواب کا اپنی تحریروں میں اشارہ تک نہیں کرتے۔(میری تحریر میں لفظ نبی 1941ء)

حضرت مولانا محمد علیؒ کی مندرجہ بالا تحریرات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے یا جماعت کے کسی دوسرے فرد نے کبھی لفظ نبی یا رسول کا استعمال حضرت مرزا صاحب کے لئے کیا ہے تو اس کا مفہوم محدث یا خدا سے اطلاع پا کر خبر دینے والے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جیسا کہ 1914ء اختلاف سے پہلے کی تحریرات میں کثرت سے ان الفاظ کی تشریح محدث ہی کی گئی ہے۔ مولانا محمد علیؒ کے 1914ء سے پہلے کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں آپ لکھتے ہیں:

'اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے یعنی کہہ سکتے ہیں کہ المحدث نبیؐ (ریویو آف ریلیجنز جلد 3 صفحہ 117 / 1904ء)

'یہی اُمت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالیٰ کے روشن نشان ان پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔' (ریویو آف ریلیجنز جلد 3 صفحہ 131 / 1904)

اسی طرح ایک مضمون جو 'احمد ایز اے پرافٹ' کے عنوان سے ریویو آف ریلیجنز 1914ء میں چھپا تو حضرت مولانا محمد علیؒ نے شبہ کے ازالہ کے طور پر یہ نوٹ لکھا کہ:

لفظ پرافٹ (نبی) یہاں اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ اس لحاظ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس کو یہاں خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنے والے کے وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ نعمت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سب سچے مسلمانوں کو دیا ہے۔ (لهم البشرىٰ فى الحيٰوة الدنيا) اور یہی وہ نعمت ہے جو ایک ممتاز رنگ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو عطا کی گئی۔"

اس سارے مسئلہ کی وضاحت خواجہ کمال الدین صاحب اپنی کتاب "اندرونی اختلاف سلسلہ احمدیہ کے اسباب" میں کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"میں اللہ کو، ملائکہ کو خدا کی کتابوں کو اُس کے رسولوں کو قیامت کو حشر اجساد کو مانتا ہوں۔ قدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں۔ میں سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام مانتا ہوں اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتا ہوں۔ میں اپنے مرشد حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے الفاظ میں جو انہوں نے ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو بمقام دہلی بعض افتراؤں کی تردید میں شائع کئے۔" حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں" بالفاظ حضرت مسیح موعود "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی۔" اسی طرح میں کتاب نشان آسمانی مصنفہ حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شوشہ اور نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے۔ جو اللہ جل شانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کئے جاتے ہیں۔" میں ایمان رکھتا ہوں کہ انہیں اولوالعزم انسانوں میں سے ایک میرے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود تھے۔ یہ ایک قسم کی ظلّی نبوت ہے۔ جس کا دروازہ صرف امّتِ محمدیہ میں کھلا ہے۔ یعنی وہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے ملتی ہے" (صفحہ نمبر ۲،۳)

اختلاف سے پہلے تو قادیانی احباب بھی نبوت اور رسالت کے وہی معنی کرتے تھے جو جماعت احمدیہ لاہور کے مسلمات ہیں۔ جیسا کہ مفتی محمد صادق صاحب کی ایک واضح تحریر ہے کہ:

"شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ وہ بھی آنحضرتؐ کے طفیل آپ سے فیضیاب ہو کر اس اُمت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔" (بدر جلد 9 نمبر 52,51)

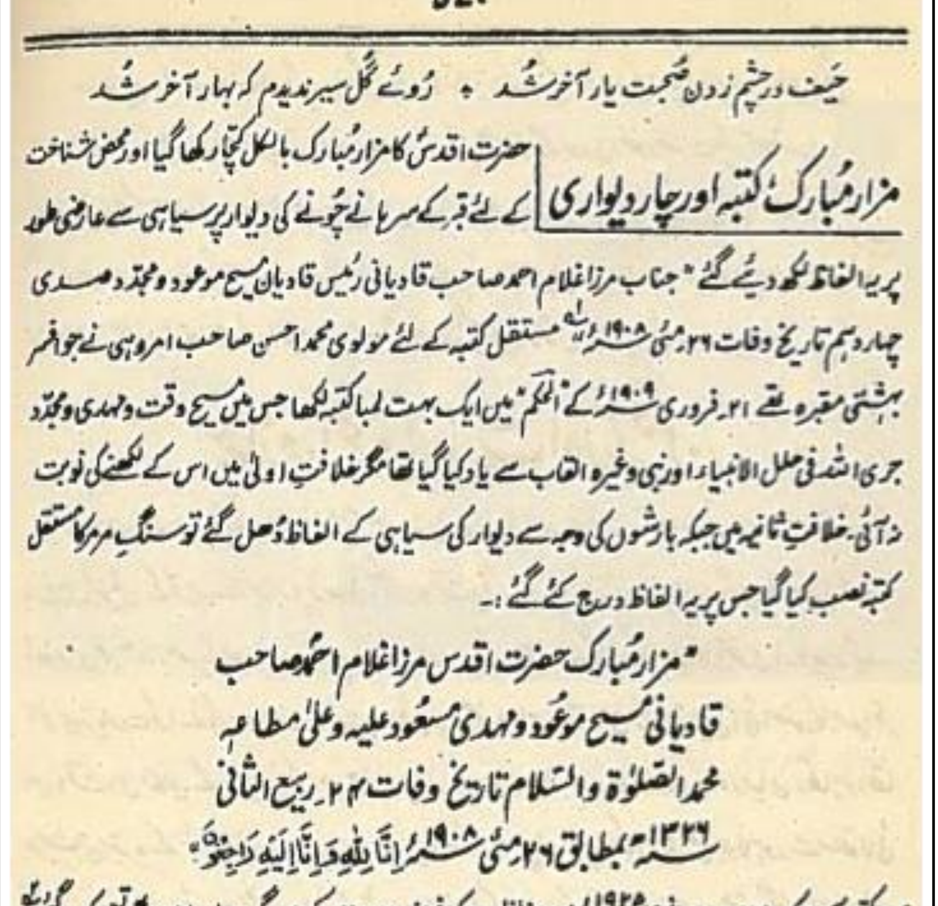
۵۷۰

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ٭ روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

مزار مبارک کتبہ اور چاردیواری

حضرت اقدسؑ کا مزار مبارک بالکل کچا رکھا گیا اور محض شناخت کے لئے قبر کے سرہانے چونے کی دیوار پر سیاہی سے عارضی طور پر یہ الفاظ لکھ دیئے گئے "جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رئیس قادیان مسیح موعود و مجدد صدی چہاردہم تاریخ وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء" مستقل کتبہ کے لئے مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو افسر بہشتی مقبرہ تھے ۱۲ فروری ۱۹۰۹ء کے "الحکم" میں ایک بہت لمبا کتبہ لکھا جس میں مسیح وقت و مہدی و مجدد جری اللہ فی حلل الانبیاء اور نبی وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا تھا مگر خلافتِ اولیٰ میں اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ خلافتِ ثانیہ میں جبکہ بارشوں کی وجہ سے دیوار کی سیاہی کے الفاظ دھل گئے تو سنگِ مرمر کا مستقل کتبہ نصب کیا گیا جس پر یہ الفاظ درج کئے گئے:-

"مزار مبارک حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب
قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ و علیٰ مطاعہ
محمد الصلوٰۃ والسلام تاریخ وفات ۲۴ ربیع الثانی
۱۳۲۶ھ بمطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء انا للہ وانا الیہ راجعون"

یہی کتبہ آج تک موجود ہے نومبر ۱۹۲۵ء میں حفاظت کی غرض سے مزار کے ارد گرد چاردیواری بھی تعمیر کر دی گئی۔

جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ہوئی تو مرزا بشیر الدین محمود کے نانا میر ناصر نواب صاحب نے کتبہ کے لئے ایک عبارت لکھ کر حضرت مولانا نور

ہم مرزا غلام احمد کو
امام مہدی سمجھتے ہیں، نبی ہر گز نہیں

الدینؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت مولانا نے اُس کی اصلاح کر کے اُس پر تصدیق کے لئے دستخط کئے۔ یہ سکین قادیانی کتاب بنام تاریخ احمدیت جلد سوم سے ہے۔ اِس میں حضرت صاحب کو مسیح موعود مجدد صد چاردہم لکھا گیا۔ جماعت میں کسی نے بھی اِس پر اعتراض نہ کیا کہ حضرت مسیح موعود تو نبی تھے، اُنہیں مجدد کیوں کہا جارہا ہے۔

میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب نے تشحیذ الاذہان میں (اپریل ۱۹۱۰، جلد ۵، نمبر ۴، صفہ نمبر ۱۵۱/ ۱۵۲) لکھا کہ خاتم النبین میں پیشگوئی کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی بھی مدعی نبوت کامیاب نہ ہوا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۱ کے الحکم میں لکھا کہ خداتعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیون کا درجہ عطا فرما کر اُن پر ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ حضرت کی وفات پر بلکہ ۱۹۱۱ تک تمام احمدیوں، بشمول میاں بشیر الدین محمود صاحب، یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت آخری نبی ہیں۔

۱۹۱۵ء میں حضرت مولانا محمد علی اور جماعت احمدیہ لاہور کے ۷۰ بزرگوں نے ایک حلفیہ بیان جاری کیا۔ اِس میں اُنہوں نے کہا کہ اُنہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی تھی اور ۱۹۰۱ء میں انہوں نے حضرت صاحب کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں پائی جیسا کہ جماعت قادیان کا دعویٰ ہے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے فرمایا کہ جماعت قادیان تعداد میں جو برتری کا دعویٰ کرتی ہے اُس تناسب سے تو اِس جماعت کے ۷۰۰ ممبران کو اِس بیان کا حلیفہ رد شائع کرنا چاہیے لیکن جماعت قادیان کے صرف ۷۰ ممبران کا جوابی حلف نامہ شائع کر دیں۔ 'قصرِ خلافت' سے اعلان ہوا کہ کوئی جواب نہ دے ہم جواب تیار کر رہے ہیں۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو حضرت مولانا محمد علیؒ نے فرمایا کہ چلیں صرف جماعت قادیان کے ۷ ممبر ایک حلفیہ بیان شائع کر دیں کہ حضرت مرزا غلام احمد نے ۱۹۰۱ میں اپنا دعویٰ مجدد سے بدل کر نبی کا دعویٰ کر دیا تھا۔ پھر بھی جواب نہ آیا تو حضرت مولاناؒ نے کہا کہ اکیلے مرزا بشیر الدین محمود احمد ہی یہ حلفیہ بیان شائع کر دیں لیکن میاں بشیر الدین محمود کو حوصلہ نہ ہوا کہ حضرت مولانا محمد علیؒ اور جماعت لاہور کے ۷۰ بزرگوں کے حلفیہ بیان کا جواب دے سکتے۔ حضرت مولاناؒ ساری عمر اُن سے یہ جواب طلب کرتے رہے۔

مندرجہ بالا سکین اخبار جنگ (لندن ایڈیشن) سے ہے۔ یہ ایک انٹرویو ہے جو مرزا طاہر احمد صاحب نے جنگ کو دیا تھا۔ اِس میں مرزا طاہر احمد صاحب کہتے ہیں: ہم مرزا غلام احمد کو امام مہدی سمجھتے ہیں نبی ہرگز نہیں۔ قادیانی دوستو آپ کے خلیفہ صاحب تو مذہبی معاملات میں معصوم الخطاء ہوتے ہیں۔ اب ذرا ہمیں سمجھادیں کہ آپ کا کون سا خلیفہ درست ہے۔ وہ جو حضرت مرزا صاحب کو نبی کہتا ہے یا وہ جو کہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نبی ہر گز نہیں۔

آپ ہمیں یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے وحی میں حضرت غلام احمدؒ کو نبی کہا تو ہم اُنہیں نبی کیوں نہ مانیں۔ اللہ کی سب سے مُستند وحی قرآن ہے اور قرآن فرماتا ہے وَقَالَ ٱلْمَلِكُ ٱئْتُونِى بِهِۦ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُ ٱلرَّسُولُ قَالَ ٱرْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ ٱلنِّسْوَةِ ٱلَّٰتِى قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّى بِكَيْدِهِنَّ عَلِيم (یوسف، آیت ۵۰)

مولانا مودودی اِس کا ترجمہ یہ دیتے ہیں: "بادشاہ نے کہا اُسے میرے پاس لاؤ مگر جب شاہی فرستادہ یوسف کے پاس پہنچا تو اُس نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا رب تو اُن کی مکاری سے واقف ہے۔" (تفہیم القرآن، جلد دوم، صفہ ۴۰۸) یہاں خدا کا ایک نبی قرآن میں فرعون کو رب کہہ رہا ہے تو پھر آپ کیوں نہیں کہتے کہ فرعون خدا تھا؟ اور کیا خدا دو ہیں؟ ایک حضرت یوسف کا اور دوسرا سپاہی کا!

اسی طرح سورۃ یاسین آیت ۱۳ میں خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کو رسول کہتا ہے اور تفسیر میں مولانا مودودی اُن کے لئے رسول ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں (تفہیم القرآن، جلد چہارم، صفہ ۲۴۸)۔ اِس بارے اِن احباب کی کیا رائے ہے؟ جب خدا قرآن میں اُنہیں رسول کہہ رہا ہے تو آپ کیوں اُنہیں رسول نہیں کہتے؟

(فہرست مضامین)